امام العصر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا اُسلوبِ نگارش!

مولانا محمد سفیان عطاء
ڈیرہ غازی خان

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ہر تحریر علوم ومعارف کا گنجینہ ہوتی ہے، جس کے حقائق ودقائق کا یہ عالم ہے کہ ان کے ایک ایک جملہ پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مستقل رسالہ لکھ سکتے تھے، تبھی تو وہ اُنہیں ''حجة الإسلام'' قرار دیتے تھے۔ شاہ صاحبؒ کی تحریرات اس کی بین گواہ ہیں کہ ان کی طرف جو مقولہ منسوب ہے، اس کی صحت میں کوئی اشکال نہیں۔ فرماتے تھے کہ رمضان میں بمشکل ایک بار تلاوتِ قرآن کر پاتا ہوں کہ صدیوں کے علوم ومعارف اپنے تمام تر تنوع، اقسام، اختلاف اور توسع کے ساتھ ان پر آوارد ہوتے، اس پر مستزاد اُن کا اَخّاذ ذہن، قوتِ استنباط واستخراج، وسعتِ فکر! اللہ اللہ کیا عالم ہوگا!؟

یقیناً اگر اکابر کی خواہش پر شرح بخاری وترمذی پر اُنہیں قلم اُٹھانا میسر آجاتا تو ماضی کی علمی یادگاریں قصۂ پارینہ بن جاتیں۔ علمی مقام ومرتبہ کے تعیُّن میں بڑے بڑے نام ان کے بعد لیے جاتے: ''کم ترك الأول للاٰخر'' دُہرایا جاتا، اور ''وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ'' کی تفسیر سامنے آتی:

هيهات لايأتي الزمان بمثله　　إن الزمان بمثله لبخيلُ

افسوس کہ یہ فقیر اِنشائی اسلوب، ذخیرۂ الفاظ اور شاہ صاحبؒ کے مقام ومرتبہ کے اظہار کے لیے ضروری مواد سے تہی دامن ہے اور اسی شعر پر اکتفا کرتا ہے:

تمنيت أن القلب كان لساني　　يبوح بشيء يحتويه جناني
فإنني إذا مارمت إظهار فضلكم　　تقصر عنه منطقي و بياني

شاہ صاحبؒ نے ۱۳۳۸ ہجری میں بعمر ۴۶ سال فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر ایک رسالہ بنام ''فصل الخطاب'' لکھا، جس میں انہوں نے اپنے بحرِ مواج کے ترجمان قلم سیال سے فاتحہ خلف الامام

کے موضوع پر نبی کریم ﷺ کی غرض تک پہنچنے کی سعی کی۔ مناظرانہ غرض اُن کے پیشِ نظر نہ تھی۔ (کتاب مذکور، ص:۷، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ، ۲۰۱۰ء)

کتاب میں انہوں نے دراصل اس موضوع پر آنے والی جملہ روایات کے الفاظ وجملوں کا باہمی ربط، ان پر وارد ہونے والے نحوی، منطقی، بیانی، فقہی، حدیثی روایتاً ودرایتاً لفظی معنوی اشکالات، تعارض اور تناقض کا حل پیش کیا ہے۔ اور اپنے مشہور مقولہ ''فإن الحديث إذا لم تجمع طرقهٗ، لاينكشف مرادهٗ'' (فيض الباري ۱: ۴۳۲) کو چمکتے سورج کی طرح عیاں کیا ہے اور انہی علوم میں اپنی اجتہادی صلاحیتوں سے استخراج اور استنباط سے متعدد نئی مباحث کو چھیڑا ہے۔ شاید علامہ کوثری مرحوم نے اسی کتاب کو پڑھ کر کہا ہوگا کہ: ''ابن ہمامؒ کے بعد کوئی شخص سوائے امام العصر کے ایسا نہیں آیا، جو احادیثِ نبویہ سے ایسی نادر مباحث پیش کرسکتا ہو۔''

موضوعِ تحقیق کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے ان مباحث پر گفتگو کی ہے:

قراءت سے مراد فاتحہ کی قراءت ہے، یا سورت آخر کی، یا دونوں کی؟ ان کا حکم شرعی اباحت ہے یا وجوب؟ یہ حکم شرعی دونوں کا ہے یا ایک کا؟ حکم میں یکسانیت ہے یا نہیں؟ حکمِ شرعی کا تعلق امام سے ہے، مقتدی سے ہے، منفرد سے ہے، یا سب سے، یا بعض سے؟

اس موضوع پر رواتِ حدیث کے یہاں ملنے والے تمام الفاظ کو نقل کرتے ہوئے ان پر محاکمہ، ادلۂ موافق ومخالف کا بیان، تعارض وتناقض کا حل پیش کرتے ہوئے محققین، ائمہ مجتہدین، ائمہ فقہ، تفسیر، حدیث، رجال، ادب، اصول، منطق کی نقول کی روشنی میں معانیِ راجحہ ومرجوحہ کا تعین کرتے ہوئے اُن کے تعیُّن پر قرآن وحدیث، اشعار ومحاورات اور ادلۂ عقلیہ کے ساتھ اپنے فیضِ خاطر سے لطیف استنباطات کو پیش کیا ہے۔ بلاشبہ علامہؒ کی تحریرات پڑھ کر یہ خیال آتا ہے کہ اپنے اپنے زمانہ کے علومِ مختلفہ کے گنے چنے ائمہ فن محققین کے دماغ خود میں سموئے اس نابغۂ جہاں نے قلم اُٹھایا ہوگا:

وليس على الله بمستنكر   أن يجمع العالم في واحد

''فصل الخطاب'' کی ایک مختصر فصل کو سامنے رکھتے ہوئے یہ تحریر علومِ انوری کی تقریب کے لیے رقم کی گئی ہے۔ اس میں بین القوسین عبارات ہماری طرف سے بغرضِ تسہیل وتفہیم پیش کی گئی ہیں۔

فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر، حدیثِ عبادہ میں ایک جملہ ہے:

''لاتفعلو إلابأم القراٰن؛ فإنهٗ لاصلاة لمن لم يقرأبها.'' اس کی توضیح کرتے ہوئے حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ:

''فصل: ويحتمل أن يكون الاستثناء للإباحة. ثم قوله : فإنه لا صلاة لمن لم

يقرأ بها تعليم لحكم آخر مستقل من حيث كونهم مصلين، لا من حيث كونهم مقتدين، أراد الإخبار بهٰذا و بهٰذا، وهو وجوبها في الصلاة المطلقة، ولعل ضمير الشأن يأتي لمثل هٰذا، وعلمان خير من علم.

والإباحة على تقدير كون القصر للقلب، أو للتعيين أظهر، ولا ينافيه قصر الإفراد أيضاً. والباء في قوله: إلا بأم القرآن داخلة على المفعول به، والمراد الاقتصار عليها، بخلاف قولهٖ : "فإنهٗ لا صلاة لمن لم يقرأ بها" أي لم يأت بها في جملة القراءة. ونظيرهٗ في تعليم أمرين قولهٗ تعالى : ''وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى'' أشكل وجهه، والوجه فيه أن قوله : ''وَتَزَوَّدُوْا'' أمر، وقوله : ''فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى''تعليم أمر آخر، وحكم ثان لهم، فقد كانوا أخذوا السؤال زاداً، فعلمهم أن يتزودوا، وأن خير الزاد: التقوى، والمراد بها معناها المعروف.

ففي الدر المنثور : وأخرج عبد بن حميد عن قتادة : وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى، قال : كان ناس من أهل اليمن يحجّون، ولا يتزوّدون، فأمرهم الله بالزاد والنفقة في سبيل الله، وأخبرهم أن خير الزاد التقوى.

وأخرج الترمذي والحاكم عن أنسؓ قال: جاء رجل، فقال: يا رسول الله! إني أريد سفراً، فزوّدني، فقال: زوّدك الله التقوى، قال : زدني، قال: وغفر ذنبك، قال: زدني بأبي أنت وأمي، قال:ويسر لك الخير حيثما كنت . وأخرج الترمذي وحسنهٗ، والنسائي وابن ماجة والحاكم وصحّحه عن أبي هريرةؓ، قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ يريد سفراً، فقال : أوصني، قال: أوصيك بتقوى الله، والتكبير على كل شرف .... إلخ . وليس المعنى أن خير زاد يكون هو ما يتّقى به عن السؤال. و في قنوت الوتر على مختار الحنفية، وهما سورتان من مصحف ابن مسعودؓ، وأبيؓ، كما في الكنز و الإتقان: نرجو رحمتك، ونخشى عذابك، إن عذابك بالكفار ملحق، فهٰذا وجه. وأكثر ما يقع هٰذا فيما يريد المتكلم مسايرة الواقعة، وإفادة ما عندهٗ. نبّه عليه في أحكام القرآن في قولهٖ تعالىٰ: ''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ.''

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:

''اس بات کا احتمال ہے کہ یہاں ''لا تفعلوا إلا بأم القرآن''میں استثناء اباحت کے لیے ہو

اور اگلا جملہ ’’فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها‘‘ مستقل طور پر ایک نئے حکم پر مشتمل ہو، کیونکہ مخاطب جماعت دو حیثیتیں رکھتی تھی، ایک حیثیت مقتدی کی تھی، دوسری مطلق نمازی ہونے کی، چنانچہ ان دونوں حیثیتوں کا اعتبار کرتے ہوئے دو حکم دیے گئے: ایک یہ بتایا گیا کہ مقتدی کی حیثیت سے قراءتِ فاتحہ مباح ہے اور دوسرا یہ کہ مطلق مصلی کی حیثیت سے قراءتِ فاتحہ واجب ہے۔ شاید ضمیرِ شان اسی چیز کا فائدہ دے رہی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے ص: ۱۳۲ پر ائمہ نحو و بلاغت کی نقول پیش کی ہیں کہ ضمیرِ شان تاکید کا فائدہ دیتی ہے اور تاکید کا استعمال تب ہوتا ہے جب مخاطب اور متکلم میں اختلاف ہوتا ہے۔ (اور دو علم ایک علم سے بہتر ہیں۔) دو جملوں کے ایک حکم سے متعلق ہونے سے بہتر ہے کہ ان کو دو مستقل احکام سے متعلق کیا جائے۔

اور چونکہ یہاں پر نفی و استثناء کے ساتھ جملہ استعمال ہوا ہے، جو علم البیان میں قصر کی علامت قرار پاتی ہے اور قصر کی تین اقسام ہیں، تو علامہؒ فرماتے ہیں کہ: تینوں اقسام یہاں پر مراد لی جاسکتی ہیں (چنانچہ یہاں پر قصرِ قلب) گویا مخاطب وجوبِ قرات کا قائل تھا، متعدد صحابہؓ کا اقتداءِ نبوی میں فاتحہ پڑھنا بعض کے التزام کا پتا دیتا ہے، تو نبی کریم ﷺ نے اس کے اعتقاد کے برعکس اباحت کا حکم دیا، (اور قصرِ تعیین کی صورت) جس میں مخاطب حکمِ وجوب و اباحت کے درمیان متردد تھے، بعض صحابہؓ کا فاتحہ پڑھنا، بعض کا نہ پڑھنا اُن کے تردد کی علامت ہے (میں حکمِ اباحت مراد ہونا اظہر ہے، اور بصورت قصرِ افراد، اگرچہ حکمِ اباحت اَظہر نہیں، لیکن اس کے مراد ہونے کے منافی بھی نہیں)، چنانچہ قصرِ افراد کی صورت میں مخاطب فاتحہ اور غیر فاتحہ دونوں پڑھنے کا اعتقاد رکھتے تھے، جیسا کہ روایت میں ہے کہ مقتدی نے ’’سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى‘‘ پڑھی تو شارع نے صرف فاتحہ کا تعین کیا۔

اور پہلے جملے میں باء چونکہ مفعول پر داخل ہے، اس لیے فقط فاتحہ ہی مراد ہے، جن روایات میں فقط فاتحہ کی اجازت مصرح ہے، وہ اس کی دلیل ہیں۔ اور دوسرے جملے میں فی الجملہ قراءتِ فاتحہ مراد ہے؛ کیونکہ یہاں نفیِ کمال مراد ہے، نفیِ صحت مراد نہیں ہے، تبھی درست ہوسکتی ہے کہ یہاں وجوبِ فاتحہ مراد لی جائے، کیونکہ فاتحہ ترک کرنے کے ساتھ کسی نے دوسری آیات کی قراءت کرلی تو فرض کی ادائیگی ہو جائے گی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس جملہ میں قراءتِ فاتحہ سے مراد فی الجملہ وجوبِ قراءتِ فاتحہ ہے، اور نفی کا جملہ کمالِ نفی کے لیے ہے، نفیِ صحت کے لیے نہیں، ورنہ ترکِ فاتحہ مع قراءتِ سورت سے نماز نہ ہوتی۔ نیز علامہ ابن القیمؒ نے بھی ’’بدائع الفوائد‘‘ میں یہی معنی مرد لیا ہے، جسے حضرت شاہ صاحبؒ نے صفحہ: ۵۳ پر نقل کیا ہے۔ نیز جس طرح یہ دونوں جملے لفظاً مستقل ہیں، ویسے ہی معنیً بھی مستقل ہیں، چنانچہ ایک میں اباحت، دوسرے میں وجوب ہے، ایک میں اقتصار، دوسرے میں غیر اقتصار معنی مراد ہے۔ اور اس بات کی

نظیر کہ اس طرح کے جملوں (یعنی بظاہر علت معلول کا فائدہ دیتے جملوں) میں دونوں جملے مستقل معنی وحکم رکھتے ہوں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی'' اب اس میں دونوں جملے علت ومعلول ہونے کا خیال دیتے ہیں، لیکن (پہلے جملے کی طرح دوسرا بھی مستقل الگ جملہ ہے، چنانچہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ لوگ بغیر زادِ راہ لیے حج کو جاتے تھے اور لوگوں سے ضرورت پڑنے پر مانگنے کو ہی بطور زادِ راہ بنائے ہوئے تھے، تو قرآن مجید نے ان کو نصیحت کی کہ وہ زادِ راہ لیا کریں اور ساتھ ہی ایک افادہ فرمایا کہ: بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اور تقویٰ سے یہاں مراد تقویٰ عن السوال نہیں ہے، بلکہ تقویٰ معروف (یعنی گناہوں سے بچنا) ہے۔ اور ظاہر ہے اس معنی کے لحاظ سے یہ پہلے جملے کی تعلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اگرچہ مُوہم ضرور ہے۔

(رہی تقویٰ کے اس معنی میں مراد ہونے کی دلیل تو) ''درِمنثور'' میں قتادہؒ سے مروی ہے کہ یمن کے لوگ حج کیا کرتے تھے اور زادِ راہ نہیں لیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ زادِ راہ اور نفقہ لیا کریں اور یہ خبر دی کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے، چنانچہ راوی کا اسلوبِ بیان اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یہاں پر دونوں جملے مستقل ہیں، اور مستقل حکم رکھتے ہیں۔

''ترمذی'' و ''مستدرک'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''ایک شخص نے سفر کا ارادہ کیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مجھے زادِ راہ دیجیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے فرمایا کہ: ''زوّدك الله التقوی.'' (تو اس جملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ معروف کے لیے تزوّد کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زادِ راہ کے لیے تقویٰ معروف کو استعمال کیا گیا ہے۔)

اسی طرح ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح نقل کی ہے کہ: ''ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس کا سفر کا ارادہ تھا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تقویٰ کی نصیحت کی۔'' اس سے معلوم ہوا کہ آیتِ قرانی کا دوسرا حصہ تقویٰ معروف کے معنی میں لیا جاسکتا ہے، جبکہ شانِ نزول کے مطابق آیت کا حصہ اولیٰ زادِ سفر معروف معنوں میں مراد لیا گیا ہے، جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ دونوں جملے بظاہر علت معلول نظر آتے ہیں، اور ایک حکم سے مرتبط معلوم ہوتے ہیں، لیکن اپنی حقیقت میں یہ دو مستقل جملے ہیں۔ (اسی طرح ایک نظیر) دعاءِ قنوت ہے، جو کہ حنفیہ کے مختار مسلک کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ واُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف کے مطابق دو سورتیں تھیں، جیسا کہ ''کنز'' اور ''إتقان'' میں ہے۔ پیشِ نظر رہے کہ حنفیہ کے یہاں دعاءِ قنوت کے قرآنِ منسوخ ہونے یا دو سورتیں ہونے کو علامہؒ نے افادۂ مزید کے طور پر پیش کیا ہے۔ علامہؒ کے دعویٰ، صحتِ دعویٰ یا دلیلِ دعویٰ میں

ان اُمور کا کوئی تعلق نہیں، چنانچہ اس دعا میں ہے: ’’نرجو رحمتك ونخشی عذابك، إن عذابك بالکفار ملحق‘‘ اب اس دعا کا آخری جملہ ماقبل جملے سے علت ومعلول کے ربط سے مرتبط نظر آرہا ہے، لیکن اپنی حقیقت کے لحاظ سے یہ دو مستقل جملے ہیں، کیونکہ پہلے میں مسلمان عذاب سے پناہ مانگ رہے ہیں اور دوسرے میں کفار کے معذب ہونے کی بات ہے۔ (یہ حدیث کی ایک توجیہ ہے) عموماً اس طرح کا اُسلوب ان مواقع پر ہوتا ہے جہاں پر متکلم ایک واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اپنی طرف سے کوئی اضافی فائدہ بیان کرنا چاہتا ہے، جیسا کہ ’’أحکام القرآن‘‘ میں آیت ’’یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ‘‘ کے تحت اس پر تنبیہ کی گئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیثِ عبادہ میں دونوں جملے مستقل حکم رکھتے ہیں، پہلا جملہ اِباحت اور دوسرا وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ نے حدیث کے اس جملہ کی تشریح میں:

۱- علمِ معانی (مبحث قصر)
۲- علمِ بیان (اسلوب بیان)
۳- علمِ نحو (ضمیرِ شان)
۴- علمِ فقہ (فقہی حکم کا تعیُّن)
۵- علمِ منطق (علت ومعلول)
۶- علمِ اللسان والمحاورۃ (بیانِ محاورہ، وتعیینِ معنیٰ تقوی)
۷- اُصولِ فقہ (احکامِ مختلفہ کے مابین رفعِ تعارض پیش کرنا، درست معانی کا تعین کرنا)
۸- علمِ حدیث روایت (نقل روایت مع الحکم علیہ)
۹- علمِ حدیث درایت (تفہیم روایت بالطریق الاجتہادی)
۱۰- علمِ المصاحف (ابن مسعودؓ واُبیؓ)
۱۱- علمِ تفسیر (آیاتِ مذکورہ کی تفسیر)
۱۲- علمِ الناسخ والمنسوخ (دعاءِ قنوت سے استدلال)

سے استفادہ کرتے ہوئے یہ چند سطری مبحث ان حوالہ جات سے پیش کیا ہے:

① - ’’قرآن مجید‘‘ ② - ’’احکام القرآن‘‘
③ - ’’درِ منثور‘‘ ④ - ’’الاتقان فی علوم القرآن‘‘
⑤ - ’’ترمذی‘‘ ⑥ - ’’نسائی‘‘

⑦- ’’ابن ماجہ‘‘ ⑧- ’’مستدرک‘‘

⑨- ’’کنز العمال‘‘

انصاف یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تعریف میں جو کہا گیا، شاہ صاحبؒ اس مقامِ عالی سے کہیں اوپر ہیں، جو مثالیں کبار اہلِ علم کے نام سے ان کے لیے پیش کی گئیں، ان میں وسعت کی بڑی گنجائش ابھی باقی ہے، فرحمة الله عليه واسعة.

کتاب کی یہ ایک چندسطری ’’فصل‘‘ اس مناظرے کی شاہدِ ناطق ہے، جس میں شاہ صاحبؒ نے میرٹھ کے اہلِ حدیث عالم غالباً مولانا احمد اللہ یا حمید اللہ میرٹھی صاحب سے اس طرز پر مناظرہ کیا کہ مسلسل دو تین گھنٹے فاتحہ خلف الامام کی روایات پر کلام کرتے رہے، اور پھر ان سے جوابی تقریر کرنے کو فرمایا، تو وہ مبہوت ہوگئے کہ مجھے تو کچھ یاد تک نہیں۔(تصویرِ انور) یقیناً سچ کہا گیا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تحریر سمجھنے کے لیے اسے سینکڑوں بار پڑھنا پڑتا ہے۔ اور بلاشبہ اگر کسی کی زندگی کا کل سرمایہ اس جیسی کتاب ہو تو اسے طبقات الفقہاء والمحدثین میں ذکرِ دوام میسر ہو جائے:

أولئك آبائي فجئني بمثلهم   إذا جمعتنا يا جرير المجامع

فائدہ

حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک معاصر مولانا عبداللہ صاحب روپڑی نے ’’فصل الخطاب‘‘ کی تردید میں ایک حاشیہ ’’الكتاب المستطاب‘‘ کے نام سے لکھا، جس میں انہوں نے شاہ صاحبؒ پر نقد میں غیر علمی رویہ اپنایا، لفظی معنوی رکیک جملے کسے ہیں، اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے زیرِ بحث فصل میں ان کے نقود ملاحظہ ہوں۔ بین القوسین عبارات اُن کی نقل کی گئی ہیں۔ ساتھ ہی مختصر اشاراتی جوابات عرض کیے گئے ہیں:

●[روایت کو دو مختلف معانی پر محمول کرنا مولانا انور شاہ کی اختراع ہے۔]●

حالانکہ یہ کوشش ادلۂ مختلفہ کے مابین رفعِ تعارض وتطبیق کی ایک صورت تھی اور اس جواب کے ایک جزء پر علامہؒ نے معقول ومنقول ادلۂ ثابتہ پیش کی ہیں۔

●[’’تقویٰ کا معنی لغوی مراد ہو یا شرعی، دونوں صورتوں میں استدلال درست نہیں۔ اجلہ مفسرین نے تقویٰ عن السوال مراد لیا ہے۔ تقویٰ کے معنی کے تعین پر مولانا انور شاہ نے جو روایات نقل کی ہیں، وہ بے محل ہیں۔‘‘]●

علامہؒ کی پیش کردہ احادیث کے مقابلہ میں اقوالِ علماء کو ترجیح دے رہے ہیں، اور قرآن کی تفسیر

میں حدیث کی اولیت سے انہیں ذہول ہوگیا ہے۔

● (''دونوں صورتوں میں یعنی معنی لغوی وشرعی مراد ہونے کی صورت میں جملہ ثانیہ خبرِ مستقل نہیں ہے۔'') ●

یہ محض دعویٰ ہے، جو شاہ صاحبؒ کے ادلہ کے پیش قابل ذکر بھی نہیں۔

● [''مولانا انور شاہ نے ''إن عذابك بالكفار ملحق'' کو ایک الگ سورت قرار دینے کا وہم دیا ہے اور یہ غلط ہے۔ سورت ''اللّٰهم إياك نعبد'' سے شروع ہوتی ہے، جیسا کہ ''کنز'' و ''إتقان'' میں ہے۔''] ●

حالانکہ شاہ صاحبؒ نے اپنے استدلال کا متعلقہ حصہ نقل کیا ہے۔ ان کی عبارت میں کہیں یہ نہیں کہ یہ جملہ مستقل سورت ہے۔ سورتِ قنوت ایک ہو، یا دو، ان کے استدلال میں کوئی فرق نہیں پڑتا، انہوں نے افادۂ مزید کے طور پر یہ لکھ دیا ہے کہ قنوت' حنفیہ کے یہاں دو سورتیں ہیں۔

● [''زیرِ بحث حدیث میں دوسرے جملہ میں فا تعلیلیہ ہے، جب کہ دعاء قنوت میں فا تعلیلیہ نہیں، لہٰذا استدلال درست نہیں۔ قیاس' قیاس مع الفارق ہے۔'') ●

حالانکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہاں فاء تعلیلیہ کا ذکر ہی نہیں کیا، اور نہ علت پر فاء کا داخل ہونا ضروری ہے اور نہ صحت استدلال میں اسے کوئی دخل ہے، بلکہ آیاتِ قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علت پر فاء کا داخل ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ محی الدین درویشؒ نے لکھا ہے:

''وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ (الواو عاطفة، واستغفروا الله، فعل وفاعل ومفعول به) إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (إن واسمها وخبراها، والجملة تعليلية لا محل لها.''

(إعراب القرآن وبيانه: ١/ ٢٩٧)

یعنی ''وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ، إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ'' میں دوسرا جملہ علت ہے۔

اسی طرح سورت نوح کی تفسیر میں رقم کرتے ہیں:

''(فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا) الفاء عاطفة وقلت فعل وفاعل واستغفروا فعل أمر مبني على حذف النون والواو فاعل وربكم مفعول به وإن واسمها وجملة كان خبرها واسم كان مستتر، تقديرهُ هو، و ''غَفَّارًا'' خبرها وجملة ''اسْتَغْفِرُوْا'' مقول القول وجملة ''إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا'' لا محل لها، لأنها تعليل للاستغفار.''

(أيضا: ١٠/ ٢٢٧)

یعنی ''فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا'' میں دوسرا جملہ علت ہے۔

نیز اس آیت کے دوسرے جملہ میں جملہ تعلیلیہ میں ضمیرِ شان بھی آئی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے لکھا

کہ ضمیرِ شان' مخاطب کے اعتقاد کے برعکس مواقع پر لائی جاتی ہے، چنانچہ مفسرین نے لکھا کہ قومِ نوحؑ کہتی تھی کہ ہمارے ان معاصی کے باوجود ہماری توبہ کیسے قبول ہوسکتی ہے؟ تو اس پر یہ ارشاد ہوا، رازیؒ لکھتے ہیں:

''وھاھنا سُؤالَاتٌ: الْأَوَّلُ: اَنَّ نُوْحًا علیه السلام اَمَرَ الْکُفَّارَ قَبْلَ هٰذِهِ الْاٰیَةِ بِالْعِبَادَةِ وَالتَّقْوٰی وَالطَّاعَةِ، فَاَيُّ فَائِدَةٍ فِيْ اَنْ اَمَرَهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالْاِسْتِغْفَارِ؟ الْجَوَابُ: اَنَّهٗ لَمَّا اَمَرَهُمْ بِالْعِبَادَةِ قَالُوْا لَهٗ: إِنْ کَانَ الدِّيْنُ الْقَدِيْمُ الَّذِيْ کُنَّا عَلَيْهِ حَقًّا فَلِمَ تَاْمُرُنَا بِتَرْکِهٖ، وَإِنْ کَانَ بَاطِلًا فَکَيْفَ يَقْبَلُنَا بَعْدَ اَنْ عَصَيْنَاهُ؟ فَقَالَ نُوْحٌ علیه السلام: إِنَّکُمْ وَإِنْ کُنْتُمْ عَصَيْتُمُوْهُ وَلٰکِنِ اسْتَغْفِرُوْهُ مِنْ تِلْكَ الذُّنُوْبِ، فَإِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ کَانَ غَفَّارًا)'' (التفسیر الرازي: ۳۰/ ۶۵۲)

ثابت ہوا کہ حدیثِ عبادہ میں ضمیرِ شان کی بابت علامہؒ کا استدلال صرف ائمہ بلاغت پر موقوف نہیں، بلکہ قرآن مجید سے بھی مؤید ہے۔

●[مصحف ابنِ مسعودؓ کا حوالہ کذب ہے، ہم کئی بار کہہ چکے کہ انور شاہ کی نقل قابلِ اعتماد نہیں ہے۔]●

گویا مصحفِ اُبیؓ میں موجودگی حوالہ تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالہ دلیل کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ انہوں نے اپنے موقف پر دو حوالے دیے، ان میں سے ایک میں وہ حوالہ موجود ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ حوالہ ناقد کو نہیں ملا تو علمی دیانت کا تقاضا تھا کہ وہ کہتے کہ ایسا حوالہ موجود نہیں، ملتا نہیں، مل نہیں سکا، زیادہ سے زیادہ یہ کہ مولانا انور شاہ سے تسامح ہوا کہ مصحفِ ابن مسعودؓ کی بجائے مصحف ابن عباسؓ لکھنا تھا، (علامہ سیوطیؒ نے ''الدر المنثور'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے)، وغیرہ۔

نیز ''کذب'' ایک شرعی اصطلاح ہے، اس کے اطلاق کے لیے جن شرعی ضوابط کی ضرورت ہوتی ہے، اُمید کی جاتی ہے کہ ناقد مرحوم نے ان کا خیال کیا ہوگا۔

رہا مصحفِ ابن مسعودؓ میں دعاءِ قنوت کا وجود وعدم وجود! تو اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ مصحفِ ابن مسعودؓ کے متعدد نسخے تھے، جو باہم مختلف فیہ تھے، چنانچہ ''الفھرست'' میں ابن ندیم نے، اور ''الإتقان'' میں سیوطیؒ نے مصحف ابن مسعودؓ کے جو مندرجات نقل کیے ہیں، ان میں کمی بیشی اور ترتیب کا اختلاف موجود ہے۔

ابن ندیمؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے مصحف ابن مسعودؓ کے متعدد نسخے دیکھے ہیں، کوئی سے دو بھی آپس میں موافقت نہ رکھتے تھے۔ ایک نسخہ میں تو فاتحہ بھی موجود تھی۔ (ابن ندیم، الفھرست: ۱/ ۲۹)

ان دو حوالوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر حضرت علامہ انور شاہؒ کی نظر میں ایسا مصحف گزرا، جو ناقد کی نظر میں نہ آسکا، تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

نیز متعدد اہلِ علم نے تصریح کی ہے کہ ابن مسعودؓ، اُبی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ کے مصاحف میں یکسانیت تھی، چنانچہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی ایک عالم قرزی سے نقل کرتے ہیں کہ: انہوں نے ابن مسعودؓ، اُبی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ کے زیرِ استعمال مصاحف ملاحظہ کیے تو ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ (تاریخ النص القرآني، ص: ١٤٩)

مصحفِ اُبیؓ میں دعاء قنوت کے وجود کا اقرار تو ناقد کو بھی ہے، اس لیے اس پر حوالہ جات کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔

اگر سطورِ بالا کے پیشِ نظر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ لکھ دیا کہ مصحفِ ابن مسعودؓ میں بھی دعاء قنوت موجود تھی، تو اس پر اعتراض کرنا خود قابلِ اصلاح ہے۔

ذیل کی سطور کو بہت سے لکیر کے فقیر تاویل قرار دیں گے، اس لیے اس سلسلہ کا واضح حوالہ بھی قارئین کے لیے پیش خدمت ہے۔ علامہ سیوطیؒ ''الدر المنثور'' میں رقم طراز ہیں:

''وَزعم عبيدٌ أنهُ بلغهُ أنّهما سورتان من الْقُرْاٰنِ في مصحف ابْن مَسْعُودٌ.''

(الدر المنثور: ٨/ ٦٩٦)

● [احکام القرآن کا حوالہ دینا مولانا انور شاہ کو چنداں مفید نہیں، بلکہ وہ مولانا کے برخلاف ہے۔''] ●

اس پر عرض یہ ہے کہ ناقد نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ''احکام القرآن'' کا حوالہ اس بات پر دیا ہے کہ حدیثِ عبادہؓ میں موجود جملے الگ الگ ہیں، مقتدی اور مطلق نمازی کے لیے علیحدہ علیحدہ ہیں اور پھر انہوں نے یہ خلاصہ نکالا کہ یہ ''احکام القرآن'' کا حوالہ حضرت شاہ صاحبؒ کے برخلاف ہے، کیونکہ اس حوالے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری تین آیات باہمی ارتباط کی وجہ سے ایک جگہ نقل کی گئی ہیں، تو ویسے حدیثِ عبادہؓ کے دونوں جملے بھی آپس میں ایک ہی حکم سے متعلق ہیں۔

حالانکہ شاہ صاحبؒ نے ''احکام القرآن'' کا حوالہ ''افادۂ مزید'' کے فائدہ کے حوالہ سے دیا کہ بسا اوقات اِفادۂ مزید کی خاطر ایک ہی سیاقِ عبارت میں ماقبل سے مختلف فائدہ کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے، چنانچہ ابن عربیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ''مِنۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ'' کے تحت لکھا:

''الرابع - من بعد صلاتهما، على أنهما كافران ! وقد روي في الصحيح أن

النبي صلی اللہ علیه وسلم حلف المتلاعنين بعد العصر . وروی بعدالظهر . وفي الصحيح : من حلف علی يمين بعد العصر لقي اللہ سبحانهٗ وهو عليه غضبان. وھٰذا علی طريق التغليظ بالزمان .'' (أحكام القرآن:۲/ ۷۲۴)

اس عبارت کا آخری جملہ شاہ صاحبؒ کا محلِ استدلال ہے کہ یہ الفاظ ''مِنۢ بَعۡدِ الصَّلٰوۃِ'' بطور تغلیظ آئے ہیں، ورنہ استحلاف میں (اور وہ بھی کفار سے) ان کو کوئی دخل نہیں۔

یہی بات امام جصاصؒ نے مزید وضاحت سے لکھی، وہ استحلاف میں وارد شدہ متعدد روایات جو زمان ومکان کے تعین پر دلالت کرتی ہیں، نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ: وَلَيْسَ فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّ ذٰلِكَ مَسْنُوْنٌ. وَاِنَّمَا قَالَ ذٰلِكَ لِاَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ كَانَ يَجْلِسُ هُنَاكَ، فَلِذٰلِكَ كَانَ يَقَعُ الْاِسْتِحْلَافُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ، وَالْيَمِيْنُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ اَعْظَمُ مَاْثَمًا إِذَا كَانَتْ كَاذِبَةً لِحُرْمَةِ الْمَوْضِعِ، فَلَا دَلَالَةَ فِيْهِ عَلٰى اَنَّهٗ يَنْبَغِيْ اَنْ تَكُوْنَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ.'' (أحكام القرآن، جصاص: ۲/ ۶۱۶)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کا یہ حوالہ بھی درست ہے اور دلیل حوالہ بھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شاہ صاحبؒ کے علوم ومعارف کو سمجھنے، ان سے استفادہ کرنے کی سعادت سے نوازیں۔ آخر میں اہلِ علم کے لیے چند ایک عناوین برائے تحقیق پیش خدمت ہیں:

❶- علامہ کشمیریؒ وعلامہ نیمویؒ کی حدیثی خدمات کا تقابل کئی جہات سے ممکن ہے: فقہ الحدیث پر، رجال پر، استنباط واستخراج پر۔

❷- علامہ کشمیریؒ کے اُسلوبِ تحریر وتقریر کا تقابلی مطالعہ۔ مشترک ومختلف عناوینِ فقہیہ وحدیثیہ لیے جاسکتے ہیں، نیز ایک ایک حدیث، مبحث، راوی کا تقابلی مطالعہ کرکے مضامین بھی لکھے جاسکتے ہیں۔

❸- علامہؒ کی کتب کے متنوع مآخذ پر مستقل مقالہ لکھا جاسکتا ہے، نیز ایک ایک کتاب پر بھی یہ کام بصورتِ مضامین ہوسکتا ہے۔

❹- شاہ صاحبؒ کا منطق، فلسفہ، علومِ قرآن، حدیث، فقہی آراء مختارہ، ادب وشاعری میں معاصرین، یا متقدمین سے تقابلی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ علوم میں اُن کی اجتہادی واختلافی آراء پر کام کیا جاسکتا ہے۔